© rasailojaraid.com



محمد عمر فاروق:

# پیتے ہیں لہو، دیتے ہیں تعلیم مساوات

''انحطاط'' بظاہر ایک بے ضرر چھے حرفی لفظ ہے۔ لیکن جب اس کا اطلاق کسی شعبۂ زندگی بالخصوص تعلیم پر ہو تو اس کی پس پردہ خوفناکی کا اندازہ کرنا کسی کے بس میں نہیں ہے۔ ہمارا معاشرہ فی الواقع تعلیمی انحطاط سے گزر رہا ہے۔ حالانکہ ملک کے بنیادی ستونوں میں تعلیم کی اہمیت موجودہ دور میں کسی سے پوشیدہ نہیں لیکن ترقی پذیر ممالک کا المیہ یہ ہے کہ اب بھی وہاں دیگر ترجیحات تعلیمی امور پر غالب ہیں۔ جس کا نتیجہ بڑے ہی تباہ کن انداز سے سامنے آ رہا ہے۔ جب تک کسی ملک کی شرح خواندگی حسب ضرورت نہیں بڑھتی، اس کی ترقی و خوشحالی کا گراف ہمیشہ نیچے رہتا ہے۔ پاکستان بھی ان ممالک میں سے ایک ہے۔ جہاں تعلیم کو فروغ دینے میں ہمیشہ غفلت برتی گئی ہے۔ اور نتیجتاً غربت، پسماندگی، جہالت، اور علاج معالجے سہولیات کی عدم دستیابی ملک کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہی ہے۔ من حیث المجموع ارباب اختیار ہیں کہ حال مست اور مال مست ہیں۔

چند روز پہلے کی اخباری اطلاعات کے مطابق وفاقی کابینہ نے بنیادی تعلیم کے لیے تعلیمی پالیسی منظور کی ہے۔ ڈاکٹر مہر لیاقت علی چیئرمین برائے وزیر اعظم خواندگی کمیشن نے پریس کانفرنس کے دوران جن تفصیلات کا اعلان کیا ان کے مطابق آئندہ چار سال میں کمیشن ۱ے لاکھ ناخواندہ بچوں کو پرائمری کی تعلیم مہیا کرے گا۔ جس کے لیے اڑھائی لاکھ غیر رسمی کمیونٹی سکول قائم کیے جائیں گے۔ جس کے لیے 13.8 ارب روپے کی منظوری دی گئی ہے۔ ڈاکٹر لیاقت علی کے مطابق حکومت سے اس پروگرام کے آغاز کے لیے تین سو ملین روپے مانگے گئے ہیں۔ اگر رقم بروقت فراہم ہو گئی تو اپریل تک اس منصوبے پر عمل درآمد ممکن ہو سکے گا۔

ہمارے ہاں خواندہ اس شخص کو تسلیم کیا جاتا ہے جو اپنا نام لکھ سکتا ہو۔ اعداد و شمار کی بھول بھلیوں میں لپٹے ہوئے شرح خواندگی بڑھنے کے بلند بانگ دعوے ہر سال سننے میں آتے ہیں۔ جبکہ سچی بات یہ ہے کہ قیام پاکستان سے اب تک ہماری شرح خواندگی صرف 0.44 فیصد تک بڑھ پائی ہے اور اس طرح ہمیں عالمی شرح خواندگی کے تناسب تک پہنچنے کے لیے 122 برس درکار ہیں۔ ملکی بجٹ کا بیشتر حصہ دفاعی امور کے لیے مختص کیا جاتا ہے۔ جبکہ تعلیم کے لیے صرف چند فیصد بجٹ رکھا جاتا ہے اور وہ بھی اکثر کاغذی کارروائیاں دکھا کر ہڑپ کر لیا جاتا ہے۔

آخر شرح خواندگی بڑھے تو کیسے بڑھے اس ہیرا پھیری اور حرام خوری کا نقصان تو بالآخر قوم و ملک کا ہوتا ہے اور قوم بھی وہ جس کی اکثریت کو بمشکل دو وقت کھانے کو میسر ہے۔ جبکہ سرمایہ پرستوں، وڈیروں اور صنعت کاروں کے لیے ان کے آقایان ولی نعمت انگریزوں کے دور سے علیحدہ تعلیمی ادارے


© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موجود ہیں اور علیحدہ نظام تعلیم رائج ہے۔ جہاں سے ہر سال رولنگ کلاس تیار ہوتی ہے۔ یقین مانیں کہ ان تعلیمی اداروں میں تعلیم پانے والے ایک رئیس زادے کی ایک سال کی فیس سے ایک غریب خاندان کئی سال تک اپنی زندگی کا ٹمٹماتا چراغ روشن رکھ سکتا ہے۔

غربت و امارت اللہ تعالیٰ کی تقسیم کردہ نہیں ہے۔ بلکہ فرعون صفت امراء نے غریبوں کا خون نچوڑ کر اپنی تجوریوں کے "سوئس بینک" بھر رکھے ہیں اور مفلس و نادار کا جینا دو بھر کر رکھا ہے۔ جب تک اسلام کے معاشی فلسفے کے تحت دولت کی مساویانہ تقسیم عمل میں نہیں آتی۔ ان قارونوں اور ہامونوں کے ہاتھوں غریب غربت کی چکی میں پستے رہیں گے۔ اور جب تک عوام کا معیار زندگی بہتر نہیں ہوگا۔ اس وقت تک تعلیم کا عام ہونا ممکن نہیں ہے۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق "غربت کفر تک لے جاتی ہے" جب صبح و شام گھر فاقوں کی آماجگاہ ہو۔ بیماری اور ضعف و نقاہت سائے کی طرح پل بھر کو جدا نہ ہوں تو کسے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم یاد رہے گا اور کون بچوں کے مستقبل کو روشن کرنے کیلئے انہیں سکول بھیجے گا۔ غریب ....... یعنی عوام جب تک ان مسائل کے بھنور سے باہر نہیں آجاتے شرح خواندگی پر اضافہ کا خواب شرمندۂ تعبیر ہونا ممکن نہیں ہے۔

اس وقت میرے سامنے پنجاب لیجسلیٹو کونسل کی ۱۹۲۷ء تا ۱۹۲۹ء کی کارروائی پڑی ہے جس میں تحریک آزادی کے نامور رہنما اور ممتاز ادیب و مصنف مفکر احرار چودھری افضل حق رحمہ اللہ نے بحیثیت ممبر پنجاب لیجسلیٹو کونسل، سرکار برطانیہ کی تعلیمی پالیسی پر اظہار خیال کیا تھا۔ چودھری صاحب رحمہ اللہ کا یہ خطاب ان کی خداداد جرأت و بے مثال جوانمردی اور دلیری کا آئینہ دار ہے۔ ان دنوں علامہ اقبال رحمہ اللہ بھی کونسل کے ممبر تھے۔ ۹ مارچ ۱۹۲۷ء کو چودھری افضل حق نے اپنی ڈیڑھ گھنٹہ کی تقریر میں کہا تھا۔

"باوجود یہ کہ انگلستان کوئی غریب ملک نہیں ہے۔ وہاں غریبوں کی ضروریات کا پورا خیال رکھا جاتا ہے۔ وہاں کا یہ قانون ہے کہ ملازم رکھنے والے اپنے مزدوروں کی پڑھائی کا انتظام کریں اگر وہ اپنے ملازمین کی تعلیم کا بندوبست نہ کریں تو انہیں حکومت کو کچھ رقم دینی پڑتی ہے۔ پھر حکومت ان کی تعلیم پر دھیان دیتی ہے۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان میں فنڈ کی کمی ہے۔ اسلیے ایسے انتظامات محال ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ جب پچاس لاکھ روپیہ غیر مفید طریقۂ تعلیم پر برباد کیا جاسکتا ہے۔ تو کیا حکومت کے لیے مناسب نہیں کہ وہ یہی روپیہ انگلستان و دیگر مغربی ممالک کی طرح منافع بخش سکیموں پر خرچ کرے۔ مجھے اپنے ڈائریکٹر تعلیم کی قابلیت سے انکار نہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ہم غیر کی غلامی میں کچھ بھی نہیں کرسکتے۔"

چودھری صاحب رحمہ اللہ نے اپنی اس تقریر کے آخر میں جبری تعلیم پر زور دیا۔ لیکن حکومت وقت ایسے کسی مفید مشورے پر کان دھرنے کے لیے تیار نہیں تھی۔ جس پر ۲۹ جولائی ۱۹۲۹ء کو آپ نے کونسل میں پھر اپنا مطالبہ دہرایا اور ڈائریکٹر تعلیم پر شدید تنقید کرتے ہوئے کہا کہ

"ایک نامور ماہر تعلیم یعنی سر جارج اینڈرسن کے ذہن سے نکلے ہوئے یہ الفاظ خوش نما معلوم نہیں ہوتے کہ پرائمری جبری تعلیم کے نفاذ میں ناقابل عبور مصائب کے پہاڑ حائل ہیں۔ جب وہ ایوان میں یہ فرما



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہے تھے۔ کہ ملک میں جبری تعلیم جاری کر دینے سے بد ترین حالات کا سامنا کرنا ہو گا۔ میں حیرت سے یہ سوچ رہا تھا کہ کیا وہ اپنے ملک کی روایت سے بھی یکسر غافل ہو گئے ہیں ۔ جہاں جبری ذریعہ تعلیم رائج ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ واضح اور صاف فکر کا فقدان اس مصیبت کی جڑ ہے۔ ترقی کی شاہراہ پر کسی قوم کے گامزن ہونے کیلیے صحیح اور صاف فکر کی از بس ضرورت ہے۔"

"میں ۱۹۲۰ء سے حکومت کا رویہ دیکھ رہا ہوں۔ دو سال بیت گئے حکومت ٹس سے مس نہیں ہوئی۔ اور یہ جو کہا گیا کہ ہم تعمیری نکتہ چینی نہیں کرتے۔ ایک ایسا الزام ہے جو یکسر من گھڑت اور غلط ہے۔ بہر حال میں ٹھوس تجاویز آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں کہ انگلستان کا جبری تعلیمی بل یہاں بھی نافذ کر دیا جائے۔ اس میں ایسی ترمیمات کر دی جائیں جو صوبے کے حالات کے مطابق ہوں۔ یعنی پولیس ان آوارہ بچوں کو گرفتار کر کے نزدیکی سکول میں چھوڑ آئے۔ سپاہی کو یہ اختیار دیا جائے کہ وہ زبردستی بچوں کو پکڑ کے لے جائے۔ فیکٹری کے مالکوں پر پابندی لگا دی جائے کہ وہ اپنے ملازمین کی تعلیم کا انتظام کریں اور خلاف ورزی کرنے والوں کو سزائیں دی جائیں"۔

## میاں فضل حسین:

اس سلسلہ میں ہم نے پنجاب میں بھی مساعی کی تھیں مگر اس مقصد کے حصول کی خاطر تعاون و استعانت مفقود تھا"۔

## چودھری افضل حق:

غلط ہے، میں یہ تسلیم کرنے کیلئے ہر گز تیار نہیں ہوں کہ آپ نے ایسے اقدامات اختیار کیے ہوں اور لوگوں نے اعراض برتا ہو۔ سنجیدگی اور ایمانداری سے اگر کوشش کی جائے تو ناکامی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں، جناب ڈائریکٹر تعلیم سے استدعا کروں گا کہ وہ اپنی پوری تندہی اور جانفشانی سے ایسی فضا قائم کریں جس کا بڑا شہرہ ہے تو میں سمجھتا ہوں، جبری تعلیم کا کام بڑی آسانی اور خوشگوار طریقے سے سرانجام پا جائے گا۔ ہماری روحیں اس وقت تک چین نہیں لیں گی۔ جب تک ہم اپنے بچوں کی تعلیم کے لیے مناسب سہولتیں بہم نہ پہنچا لیں گے۔"

اس تقریر کے مندرجات شاہد ہیں کہ ہمارے موجودہ حالات آج بھی اسی نہج پر قائم و دائم ہیں ۔ جہاں ستر سال پہلے تھے۔ کتنی تبدیلیاں رونما ہوئیں ، انقلاب آئے، حکومتیں بدلیں، بلکہ یوں کہیئے کہ نسلیں گذر گئیں لیکن انگریز کے وحشیانہ جبر و استبداد پر مبنی قوانین محض اپنی حکمرانی و تسلط کا قلادہ عوام کی گردنوں پر فٹ رکھنے کے لیے آج بھی برقرار ہیں۔

موجودہ نظام تعلیم اور نصاب نوجوانوں کو بے ہنری اور بیروزگاری کے علاوہ کیا دے سکا ہے۔ بدنام زمانہ لارڈ میکالے کی روح آج بھی اسی نصاب و نظام کے قالب میں رقصاں ہے۔ ہر آنے والی حکومت سابقہ حکومت کی تعلیمی پالیسی کی دھجیاں اڑاتے ہوئے اپنی نئی پالیسی کا پرچم لہراتی ہے۔ لیکن مسائل گھمبیر سے



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گھمبیر تر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

ضرورت پالیسی سازی کی نہیں پالیسی کے نفاذ اور اس پر عمل در آمد کی ہے۔ ورنہ سابقہ ادوار میں کیا کیا پالیسیاں تھیں جو بنائی نہ گئیں۔ صرف قومی تعلیمی کمیشن ۱۹۵۹ء کی سفارشات پر ہی نظر ڈال لیجئے تو آپ کو بخوبی علم ہو جائے گا کہ اڑتیس برس پہلے بھی اس کمیشن نے ٹیکنیکل تعلیم کو تعلیمی نظام کا لازمی حصہ بنانے کی بھرپر سفارش کی تھی جس کا مطالبہ آج کیا جاتا ہے۔

رہا نظام و نصاب تعلیم کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کا سوال تو کیا اس کے متعلق پہلی تعلیمی کانفرنس مکہ مکرمہ ۱۹۷۷ء اور دوسری اسلامی تعلیمی کانفرنس اسلام آباد ۱۹۸۰ء کی سفارشات کافی نہیں ہیں؟ کیا عظیم اسلامی مفکرین امام غزالی، شاہ ولی اللہ، ڈاکٹر علامہ محمد اقبال اور سید ابوذر بخاری کا بیش قیمت فکری سرمایہ اسلامی تعلیمی نصاب و نظام کی تدوین و ترتیب کے لیے کافی و شافی نہیں ہے۔

اگر ارباب بست و کشاد کو بے مقصد نزاعات اور لاحاصل زبانی و کلامی بیان بازیوں سے کبھی فرصت ملے تو ان کی پہلی ترجیح طبقاتی نظام تعلیم کے مکمل سدباب اور نصاب تعلیم کو ٹیکنیکل نظام تعلیم سے لازم و ملزوم کرنے کے ساتھ ساتھ مشرقی و مغربی علوم کے بعد کو ختم کرنے کے لیے انقلابی اقدامات ہونے چاہئیں۔ شاید آپ باخبر ہوں کہ جرمنی میں کئی دوسرے ممالک کے برعکس کالج اور یونیورسٹی میں تعلیم مفت ہے اور وہاں طلباء سے فیس نہیں لی جاتی اور نہ ہی خواص و عوام کے لیے علیحدہ تعلیمی ادارے بنائے گئے ہیں۔ ایک غیر مذہب قوم اگر اپنے طلباء کو ایسی سہولیات اور مساوات سے مزین کر سکتی ہے تو یہ ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ ہم تو اس نظام زندگی "اسلام" کے حامل ہیں جس نے صدیوں سے عالمگیر صداقتوں سے آراستہ معاشرہ اور تعلیم و تعلم کے بیش بہا اصول، اطراف و اکناف عالم میں خورشید جہاں تاب کی طرح اپنی ضیاء پاش کرنوں سے پھیلا رکھے ہیں۔

## بقیہ از ص ۴۳

آواز تو دے خانہ خرابانِ وفا کو
اک بار تو لوٹ آ کہ مصائب کا سماں ہے

مگر وہاں تو وہی سکوت ہی سکوت ہوگا، کوئی جواب نہیں ہوگا۔ ہمارے سوال ہمارے ہی کانوں سے واپس ٹکرائیں گے۔

ہا..... ان کا مکان، وہی بیٹھک اب بھی موجود ہے جہاں گئی رات تک محفلیں برپا ہوتیں، وہ ندیم و ہم جلیس بھی موجود ہیں مگر.....

جب سامنے ساغر آتا ہے اک ہوک سی اٹھتی ہے دل میں
ساقی کی ادا یاد آتی ہے محفل کا خیال آجاتا ہے

واحسرتا۔ وانصیبا


© rasailojaraid.com